افسانہ

پہلا روزہ

رمانہ عمر، ریاض

''عاشی، عاشی!! کہاں ہو؟ کیٹرنگ والے آئے ہیں۔ سامان لگوانا ہے وہ باہر کھڑے ہیں۔''

''جی ابھی آئی۔'' وہ دوپٹہ سنبھالتی باہر کو بھاگی تھی کہ اندر سے ماسی نے پکارا۔

''باجی بڑی پتیلی دھولی ہے۔ اسے کہاں رکھوں؟''

''چولھے پر رکھو اور کہاں رکھو گی؟ حد ہے بھئی، کبھی اپنی عقل سے بھی کچھ سوچ لیا کرو۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی ماسی پر برستی برآمدے میں آئی تو پارٹی مینجمنٹ والوں کے تین بڑے لمبے تڑنگے مرد دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ تینوں نے اچانک ہی اس کی جانب دیکھا۔ ان کی نظروں میں کچھ تو ایسا ضرور تھا کہ عاشی گڑبڑا سی گئی۔

''آپ لوگ ٹھہریئے، میں آتی ہوں۔'' کہتی ہوئی وہ دوبارہ اندر لوٹ آئی اور سیڑھی کے سامنے لگے قدآدم آئینے میں جو اپنے عکس پر نگاہ ڈالی تو لمحے بھر میں ان کی نظروں کے معنی جان گئی۔

جون کی گرمی اور باورچی خانے کے حبس زدہ ماحول میں لان کی باریک قمیض کا جو حال ہوا تھا، جارجٹ کا مختصر سا دوپٹہ خوب کھول کر پھیلا لینے کے بعد بھی اسے چھپانے سے قاصر تھا۔

''اُف! اللہ کا شکر ہے کہ منعم باہر نہیں تھے ورنہ تو جو اُن سے سننی پڑتی۔۔''

اس نے دل ہی دل میں شکر کیا اور ساس کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

''امی وہ اپنا نماز والا دوپٹہ دیجئے گا ذرا''۔ اس نے عجلت میں چاروں جانب نگاہ دوڑائی۔

''کون سا دوپٹہ؟ اچھا وہ سفید کناری والا؟ وہ تو ابھی دھو کر عذرا کو پکڑایا کہ ذرا الگنی پر ڈال آئے۔ بڑی گرمی ہوگئی ہے۔ تکیے کے نیچے جائے نماز بچھاتی ہوں، تب بھی پسینے میں شرابور ہو جاتی ہوں۔ عجیب سی بساند آنے لگی تھی۔۔''

''امی تو کوئی دوسرا دے دیجئے یہاں الماری میں ہوگا ناں؟''

اس نے ساس کے لمبے چوڑے مکالمے پر بیزار صورت بنا کر الماری کا پٹ کھولا اور دل میں سوچا ''اف امی۔ آپ کام کی بات کیوں نہیں کرتیں۔'' اس نے جلدی سے تین چار لٹکے جوڑوں میں سے ایک موٹے دوپٹے والا کھینچا اور ہینگر کو پلنگ پر پھینک کر دوپٹہ لپیٹنے لگی۔ اتنے میں منعم پھر سے آوازیں دیتا سر پر موجود تھا۔

''گئیں نہیں تم؟؟ گرمی میں بیچارے مزدور کتنی دیر کھڑے رہیں گے۔ یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''جی وہ میں۔۔۔ جا رہی ہوں۔'' وہ بدحواسی میں باہر کو بھاگی۔

''منعم''!! پیچھے سے ماں کی آواز آئی تو وہ رکا اور لہجے کی پہچان نے اسے ٹھٹھکایا۔ ''اُف! امی اس وقت نہ لیکچر کا پٹارہ کھول لیجیے گا۔'' اس نے جی ہی جی میں کہا۔

''مجھے بلایا آپ نے؟''

''ہاں تمہیں بلا ہے۔ یہاں آؤ کھڑے کھڑے نہ پوچھو کہ کیا بات ہے۔''

''امی وہ آج کام بہت ہیں۔'' وہ منمنایا۔

''مجھے سب پتہ ہے کہ بہت کام ہیں۔ بڑی دعوت کر رہے ہو تم لوگ۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کے احکامات کو ہی بھول جاؤ۔ رمضان جیسے بابرکت مہینے کا احترام کرو منعم۔''

''کیا ہو گیا امی؟ کہیے سن رہا ہوں۔'' وہ سعادت مندی کے ساتھ بستر پر بیٹھ گیا۔ جانتا تھا کہ اب جلدی بھاگنا ممکن نہیں ہوگا۔

''صرف اتنا کہنا ہے کہ بیوی کو باہر مزدوروں میں بھیجتے تمھیں شرم تو نہ آئی بیٹا۔ وہ تو اس کی نیکی ہے کہ اوڑھ لپیٹ کر گئی ہے۔ مگر تم کو تو ان باتوں سے فرق ہی نہیں پڑتا۔ کیا یہ مناسب ہے؟ ہمارے گھروں میں باہر کے کام مرد ہی نپٹاتے ہیں۔''

جب وہ کہہ چکیں تو منعم نے دھیرے سے نگاہیں جھکا کر کہا۔

''میں اگر خود دیکھ لیتا اور بعد میں پارٹی ارینجمنٹ اس کی مرضی اور پسند سے نہیں ہوتی تو وہ خوب جھک جھک کرتی۔ آپ جانتی تو ہیں امی کہ وہ سیٹنگ وغیرہ کے معاملے میں کس قدر جذباتی ہے۔ اسی لیے میں نے کہا ہے کہ جیسا چاہتی ہو خود کرواؤ۔ میں نے بالکل ہاتھ اُٹھا لیے ہیں اس مرتبہ۔''

پھر جو اس نے آنکھیں اُٹھائیں تو جوان اولاد کی آنکھوں میں موجود بے چارگی دیکھ کر اماں نے خود ہی نگاہیں چرا لیں۔

❖

''ماما! بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ پانچویں بار آیا تھا اور اس کا دوپٹہ پکڑ کر رونی صورت بنائے کھڑا تھا۔ باورچی خانے سے نکلتی اشتہا انگیز خوشبوئیں اسے بے چین کیے دے رہی تھیں۔

''عثمان! میرا دوپٹہ چھوڑو۔ دیکھو گرم پتیلی گر نہ جائے۔ عثمان کے بچے!!'' اس نے گھبراہٹ میں پتیلی سنک پر رکھی اور بیٹے کو گھورا۔

وہ کچھ کہے بنا، آنکھوں سے سب کچھ کہہ کر چند لمحے ماں کو گھورنے کے بعد دوپٹہ چھوڑ کر واپس پلٹ گیا۔

عاشی کو جیسے اِیک دم ہوش آ گیا۔ اس نے سر پیٹ لیا۔

''اُف میرے خدا! آج اس کا پہلا روزہ ہے۔ گرمی سے بڑوں بڑوں کا حال برا ہے وہ تو پھر''۔ وہ دوپٹے کے کونے سے ہاتھ پونچھتی اس کے پیچھے دوڑی۔ وہ لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی ریموٹ پکڑ چکا تھا۔ عاشی شرمندہ شرمندہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''دیکھو بیٹا! اب تو صرف دو گھنٹے ہی رہ گئے ہیں۔ اتنی ساری چیزیں تمہارے ہی لیے تو بنا رہی ہوں۔ بس دو گھنٹے ہی کی تو بات ہے۔ پتہ ہے اللہ تعالیٰ تم سے کتنے خوش ہوں گے۔''

''کیوں؟ ان کو میری بھوک سے خوشی کیوں ہوگی؟'' وہ اچانک ریموٹ رکھ کر عاشی کی طرف مڑا۔ اور اب وہ کسی تسلی بخش جواب کا منتظر تھا لیکن اسی لمحے عاشی نے دوڑ لگا دی۔

''ہائے اللہ چاول! پسانے میں دیر ہو گئی۔ اکڑ نہ جائیں.....''۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی دوبارہ کچن میں تھی اور عثمان کندھے اُچکا کر چینل براؤزنگ کر رہا تھا۔

''رمضان سپیشل ٹرانسمیشن'' کا رنگا رنگ شو تھا اور کیمرے کی آنکھ سے افطار کی میز پر رکھی چیزیں دکھائی جا رہی تھیں۔ عثمان کی بھوک پھر اچانک جاگی۔ اس نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور بُری سی صورت بنا کر چینل بدل دیا۔

ایم ٹی وی پر میوزک ویڈیو چل رہی تھی۔ وہ جھومنے لگا اور آواز بڑھا لی۔ کمرے سے دادی کی آواز سنائی دی ''عثمان بیٹا یہ میوزک آہستہ کرو میں قرآن پڑھ رہی ہوں۔ روزہ رکھ کے میوزک نہیں سنتے۔ میرے بچے! یہ رمضان کا بابرکت مہینہ ہے''

''مائی فٹ'' عثمان نے جھلا کر ریموٹ پکڑا اور دادی کو چڑانے کے لیے آواز مزید بڑھا دی۔ عاشی کے کانوں تک آواز پہنچی تو وہ بپھری ہوئی آئی اور ٹی وی بند کیا ''کیا بدتمیزی ہے عثمان؟ رمضان میں میوزک؟'' اس نے آنکھیں نکالیں۔

''سنوں گا، سنوں گا ورنہ مجھے کھانے کو کچھ دیں۔ صبح سے بھوکا رکھا ہوا ہے.....'' وہ پیر پٹختا، ریموٹ پھینکتا اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

ادھر آج اس کے موبائل کی گھنٹیاں بھی متواتر بج رہی تھیں۔ بہن کا نام دیکھا تو کال اُٹھالی۔ اس کی مصروف سی آواز سن کر آپی نے کہا ''تیاریاں کیسی چل رہی ہیں؟ تم کیا پہن رہی ہو۔؟ آخری وقت تک کاموں میں نہ لگی رہنا۔ ذرا ڈھنگ سے تیار ہونا۔ آخر تمھارے گھر کی پہلی بڑی تقریب ہے۔''

''چھوڑیں آپی! ابھی تو ڈھیروں کام پڑے ہیں اور منعم تو سب کچھ مجھ پر ڈال کر اب پتہ نہیں کہاں غائب ہیں۔'' کہتے کہتے اسے منعم کا خیال آیا تو وہ اسے تلاش کرنے لگی۔

''اور عثمان کا روزہ کیسا گزر رہا ہے؟'' اچانک ہی آپی نے سوال کیا تو وہ ٹال گئی۔ ''آپی چلتی ہوں ابھی لمبی بات نہیں ہو سکتی۔ اچھا جلدی آجانا۔ تصویریں ساری علینہ نے لینی ہیں اسے بتا دینا۔ او کے خدا حافظ۔''

''کہیں بھی نہیں ہیں۔ جس دن کام ہوں اسی دن گھنٹوں کے لیے باہر نکل جاتے ہیں۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''چلو عثمان جلدی کرو تیار ہونا ہے۔'' اس نے عجلت میں عثمان کا کڑھائی کرتا اور شیروانی ہینگر سے نکال کر بستر پر رکھا اور کھسے لینے الماری کی جانب مڑی۔

''میں یہ چبھنے والی چیز نہیں پہنوں گا۔ پینٹ شرٹ نکالیں'' وہ ناگواری سے بولا۔

❖

''ارے آج کے دن پینٹ شرٹ؟؟ شیروانی ٹریڈیشنل ڈریس ہے۔ بہت اچھی لگے گی۔'' وہ اسے باتھ روم کی جانب تقریباً دھکیلتے ہوئے بولی۔

''نہیں پہننا۔ کہہ دیا۔ نہیں پہننا۔'' اس کی آواز میں ضد اور قطعیت تھی۔ عاشی ایک لمحے کو ٹھٹھک گئی۔ پھر ڈانٹنے کا ارادہ ترک کر کے پیار سے بولی۔

''چلو ایسا کرو اس کو پہن کر روزہ کھول لینا، تصویریں کھنچوا لینا اور مغرب پڑھ لینا پھر اس کے بعد آ کر بدل لینا۔ ٹھیک ہے؟؟''

وہ غصیلی صورت بنائے باتھ روم میں گھس گیا اور عاشی ایک لمبی سانس لے کر بستر پر بیٹھ گئی۔

دیوار میں لٹکی گھڑی کی ٹک ٹک کے سوا کمرے میں کوئی آواز نہ تھی۔ باتھ روم سے عثمان کے شاور کھولنے کی آواز آئی تو وہ مطمئن ہو کر کمر ٹکانے کے ارادے سے دراز ہو گئی۔ اگلے ہی لمحے جو گھڑی پر نظر پڑی تو وہ بستر سے اچھلی..... ''ہائے اللہ..... میری عصر''

بہت تیزی سے وضو کر کے جاتی جاتی عصر پڑھی۔ نماز کے دوران بھی ادھورے رہ جانے والے انتظامات نے اس کے دل و دماغ کا مسلسل طواف جاری رکھا اور ادھر سلام پھیرا اور اُدھر عثمان کی چیخ سنائی دی۔

''مما! یہ اتنی بڑی شلوار کیسے پہنوں گا۔''

❖

صدر دروازے سے لے کر اندرونی ہال تک سفید برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا اور ہال میں سفید چاندنی بچھائی گئی تھی۔ میز کی جگہ دسترخوان بچھا تھا اور جگ کے بجائے صراحی میں شربت رکھا گیا تھا۔ ایک کونے کی گول میز پر رحل، قرآن اور رنگ برنگی تسبیحوں کے ساتھ اسٹینڈ میں جلتی اگربتی اپنا مخصوص خوشبودار دھواں چھوڑ رہی تھی۔

عاشی کے بقول اس پارٹی کی تھیم ''مشرقی روایات'' تھی اور

مہمانوں سے بھی روایتی مشرقی لباس میں آنے کی درخواست کی گئی تھی۔

ہر داخل ہونے والا گردن گھما گھما کر ہال کو دیکھتا اور تعریف کرتا۔ وہ بزرگ جو نیچے بیٹھنے سے قاصر تھے تخت پر براجمان ہو گئے کیونکہ صوفے ہال سے باہر نکال دیے گئے تھے۔ شور شرابے میں کسی کو اذان کی آواز آئی تو روزہ کھلنے کا اعلان ہوا۔ عثمان کو ڈھونڈا گیا جو اپنے دوست کے ساتھ موبائل کا نیا گیم دیکھنے میں مصروف تھا۔

عاشی نے خود بھی آج غرارہ پہنا تھا۔ اور اسے بار بار باورچی خانے اور ہال کا چکر مشکل لگ رہا تھا مگر وہ کسی پر کام چھوڑنے کی عادی نہ تھی۔ اور پھر اس روزہ کشائی کو تو وہ ہر لحاظ سے اعلیٰ اور پرفیکٹ دیکھنا چاہتی تھی۔

روزہ کھلتے ہی کیمروں کی کلک شروع ہوئی۔ عثمان کھجور کھاتے ہوئے، زم زم کا گلاس منہ سے لگا کر، بابا ماما کے درمیان، ماما عثمان کا منہ چومتے ہوئے، دادی سے سر پر ہاتھ پھرواتے ہوئے، پکوڑا کھاتے ہوئے اور پھر جب کلک اور فلیش کا یہ سلسلہ دراز ہی ہوتا چلا گیا تو عاشی کی ساس نے بے چین ہو کر جی کڑا کر کے عاشی کے کان میں کہا ''عاشی بیٹا مغرب نکل رہی ہے۔ عثمان کو بھی تو مغرب پڑھوانی ہے۔''

''اوہ ہاں! بس امی اب نماز ہی پڑھنی ہے۔''

اس نے اعلان کیا ''مردوں کی نماز کا انتظام اسی کمرے میں ہے۔ اور عورتوں کے لیے اندر ہے۔''

''چلو یہ بھی غنیمت۔ اللہ کے سامنے حاضر ہونے کے لیے تو علیحدہ علیحدہ کھڑے ہوں گے۔'' اس کی ساس یہ سوچتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ رمضان کے بابرکت مہینے میں یہ مخلوط محفل اور عورتوں کی سج دھج ان کو ایک آنکھ نہ بھا رہی تھی۔

❖

یوں تو اول تا آخر سب کچھ اس کی مرضی کے عین مطابق ہوا تھا مگر جانے کیوں وہ اندر سے ایک بے چینی محسوس کر رہی تھی جیسے کوئی کمی رہ گئی ہو۔ تحفے کی میز پر رنگ برنگے بڑے چھوٹے ڈبوں کا ڈھیر لگا تھا اور اس کے پرس میں بھی ڈھیر سارے لفافے جمع ہو گئے تھے۔ سارے حساب کتاب کو کل پر چھوڑ کر وہ عثمان کو ڈھونڈتی اماں کے کمرے میں پہنچی تو ہوتھ کا ہارا دادی کے بازو پر سو رہا تھا۔ ان کے ایک بازو پر عثمان کا سر تھا اور دوسرے ہاتھ میں تسبیح کے دانے گراتی وہ تھوڑی دیر میں عثمان پر پھونکیں مار رہی تھیں۔

عاشی کو یہ لمحہ بڑا پیارا لگا۔ یوں محسوس ہوا کہ آج کے طویل اور مصروف ترین دن کا حاصل یہی خاموش اور پاکیزہ لمحہ ہے۔ یقیناً وہ عثمان کی نظر اُتار رہی تھیں۔ کچھ دیر عاشی چپ چاپ بیٹھی رہی۔ وظیفہ ختم کر کے انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے عثمان کو لے جانے کا کہا۔ عاشی اسے گود میں اُٹھا کر اس کے بستر تک لائی۔ بمشکل کپڑے بدلا کر لٹایا تو پورا دن گزر جانے کے بعد پہلی بار اس کی ممتا تڑپی۔

''آج کتنا شاندار لگ رہا تھا۔ اللہ اسے نظر بد سے بچائے۔''

اس نے ایک بار پھر عثمان کو چوما اور اس کے سرہانے ہی بیٹھ گئی۔ تاریک کمرے میں گھڑی کی ٹک ٹک تھی اور عاشی کی سوچیں تھیں۔ چہار سو سناٹا تھا۔ اور جب ارد گرد سناٹے چھا جاتے ہیں، انسان گہما گہمی اور چکا چوند کی دنیا سے نکلتا اور رات کے پرسکون اندھیرے میں قدم دھرتا ہے تب اندرون کے بہت سے دیے روشن ہونے لگتے ہیں۔ یادیں، باتیں، راتیں نجانے کیا کیا کواڑ کھول کر قطار اندر قطار چلتا چلا آتا ہے۔

عاشی پر بھی ایسی ہی ملکوتی ساعت طاری ہو گئی تھی اور وہ کھلی آنکھوں ایک منظر دیکھ رہی تھی۔

وہ دیکھ رہی تھی۔ اماں بی کو جو اس کی نانی تھیں سفید ململ کے دوپٹے میں ملبوس۔ وہ دیکھ رہی تھی اپنی اماں کو جو باورچی خانے اور درمیانی کمرے کے پھیرے کر رہی تھیں۔ اماں بی نے اُسے بلایا تھا۔

''عاشی!''

وہ بھاگتی ہوئی اماں بی کی گود میں چڑھی تھی۔

''عاشی بیٹا۔آج تو نے پہلا روزہ رکھا ہے ناں؟''اس نے سر ہلا دیا۔

''پہلے روزے کا دن بہت بڑا ہوتا ہے۔جانتی ہو کیوں؟''اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''اس لیے کہ آج تو نے اپنے رب سوہنے کے واسطے کھانا اور پینا چھوڑ دیا۔''

''اچھا بتا! تیرا جی چاہ رہا ہے رنگین گولیاں کھانے کو؟''انہوں نے عاشی کی ٹھوڑی اوپر کو اُٹھائی۔

''جی.....اماں جی۔بہت زیادہ''۔اماں بی نے اس کے دل کی بات اُچک لی تھی۔اماں بی کی وہ بھرپور مسکان اسے آج بھی صاف نظر آ رہی تھی۔

''تو بس میرا چندا۔سمجھ لے کہ جب تو اپنے رب سوہنے کے واسطے یہ گولیاں نہیں کھائے گی تو پھر وہ تجھ سے بہت خوش ہوگا۔''

''کیوں اماں بی؟ اُن کو رنگ برنگی گولیاں پسند نہیں ہیں کیا؟''

''ارے نہیں جھلی! اسے تو بس یہ پسند ہے کہ جب وہ کہہ دے تو تم چھوڑ دو اور جب وہ اجازت دے تو پھر تم کھا لو۔اسے تو یوں حکم کی خوشی سے مان لینا پسند ہے۔اچھا بتاؤ تم رب سوہنے کی باتیں مانوں گی ناں؟''

''ہاں!اماں بی، مانوں گی۔''

''شاباش میری سوہنی۔تو ہمیشہ رمضان میں روزہ رکھنا۔پورے مہینے کے روزے رکھنا۔پھر وہ تم سے خوش ہو کر تمھیں اپنی جنت کا انعام دے گا۔میری سوہنی عاشی جنت میں جائے گی ناں؟''۔ان کی آنکھوں میں اشتیاق ہی اشتیاق تھا۔رب سوہنے کی محبت اور اس سے ملاقات کا اشتیاق۔اور اس ملکوتی چمک کا پرتو عاشی کی آنکھوں میں بھی اُترا جا رہا تھا۔وہ اُچھل اُچھل کر کہہ رہی تھی۔''جاؤں گی، جاؤں گی۔رب سوہنے کی جنت میں جاؤں گی۔''

عاشی اپنے گردوپیش سے بے نیاز ٹرانس کی سی کیفیت میں اُٹھی اور کتابوں کے ریک تک پہنچی جہاں اوپری ریک پر سرخ مخملی جزدان کے اندر اس کا ایک خزانہ بند تھا۔اس نے اُٹھایا، آنکھوں سے لگایا اور گوٹے کی ڈور کو دو پھیر کھولا۔پھر اندر سے نکلنے والے خزانے کو کھولا تو پہلے صفحے پر اماں بی کے ہاتھ سے لکھا جملہ تھا۔وہ اسے بار بار پڑھتی اور ہاتھ پھیرتی رہی۔

''عاشی سوہنی کے لیے۔پہلا روزہ مکمل کرنے کی خوشی میں اماں بی کی جانب سے۔''

اور دیتے ہوئے اماں بی نے کہا تھا۔

''عاشی اسے کبھی نہ چھوڑنا۔ہر روز پڑھنا۔''

عاشی گود میں قرآن رکھے صرف آنسو بہا رہی تھی۔کچھ بھی سوچ نہیں رہی تھی وہ صرف اور صرف رو رہی تھی۔اور اسے یہ ادراک بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے یہ آنسو، ندامت کے اولین آنسو ہیں۔اور ندامت کے آنسو۔توبہ کا راستہ دکھانے ہی تو آتے ہیں۔

❖❖❖

(بقیہ صفحہ 18 سے، اندھیری رات کے آنسو)

عزیزو! آج کا دور ذرائع ابلاغ، خصوصاً الیکٹرونک میڈیا کا دور ہے سائنس کی ایجادات خصوصاً سوشل میڈیا، انٹرنیٹ، سمارٹ فون، اینڈرائیڈ ایسی اشیاء ہیں جو ایک ذرا سے کلک سے انسان کو کسی اور دنیا میں پہنچا دیتی ہیں۔ایسے ماحول اور حالات میں بہت ضروری ہے کہ ایسی عبادات کو اپنے اندر فروغ دیا جائے۔ہر فرد کا اس کے خالق اور رب سے براہ راست رابطہ کروایا جائے۔وہ ایسے ایمان کا مالک ہو کہ ہر طرح کی تنہائی میں اُسے بس ایک ہی خوف اور ایک ہی فکر ہو کہ کہیں میرا اللہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔

❖❖❖